شریعتِ اسلامیہ کی اخلاقی تعلیمات کا تقابلی جائزہ

A Comparative Study of Moral teaching of Islamic *Sharīah*

*ڈاکٹر کلثوم بی بی

**ڈاکٹر فرزانہ اقبال

***منیر سبحانی

Abstract

There are three parts of human practical life, first is about God that is called worship, second is about men's mutual business that is called affairs, and the third part is about social life this is totally based on law. The third one is the implementation of human relationships and connections this is called morality. In this article, I choose the last two parts of human practical life that are called human relationships and affairs. The real purpose of every shariah is to cultivate these human being parts and not to prevent them from denying it. All *Sharīah* refers to all the virtues that ignite human nature and prohibited all denials refers to evils which humanity has always considered bad.Islamic law has taken full care of ethics and has given this aspect the opportunity to impose legal rules. The fact is that the Holy Quran and Hadith of the Holy Prophet (peace be upon him) associated morality with life in such a way whole life became worship. Islam has expanded morality throughout life. In this way no area of life has left such as individual or collective national or

*پی ایچ ڈی، اسلامک اسٹڈیز، وزیٹنگ لیکچرر، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور

***ڈپٹی ڈی ای او میل، ایلیمنٹری، قائد آباد، خوشاب

international in which its moral spirit is not equally forgotten. The Quran raised the level of moral values so high that was unimaginable to human being and offered an alternative concept of right and wrong.So high speed media and modern technology have reduced the ground distance in which humans sitting millions of miles apart but talking and filling together, but as the side effect deprived of human values and suffering from moral degradation.

Key Words: Tafsīr, Usūl, Sources, scholars

خلق کا مطلب طبیعت یا خصلت مروت وعادت ہے نیز علم الاخلاق حکمت عملیہ کی ایک قسم ہے جس کا نام حکمت خلقیہ ہے[1] انسان کی باطنی صورت کو اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے ساتھ خلق کہتے ہیں جس طرح اس کی ظاہری شکل و صورت کو خلق کہا جاتا ہے۔ امام غزالی نے خلق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: **الخلق عبارة عن هيئة فى النفس راسخة عنها تصدر الافعال بسهولة و يسر من غير حاجة الى الفكر و روئية**[2] خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کے انجام دینے کے لیے غور و فکر کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ گویا نظام اخلاق سے مراد ایک جماعت کے رسوم وعادات قوانین اور عقائد وخیالات کی ایک مجموعی حیثیت جو اس جماعت کے ہر فرد پر حاوی ہوتی ہے اس کو مذہب سے ایک خاص علاقہ ہے اور جو قوم مدنیت میں جتنی بڑھی ہوئی ہے اس کا نظام اخلاق اتنا ہی وسیع اور پر تکلف ہے۔ اس کی تشکیل میں آب وہوا اور اس قوم کی جائے وقوع اور دوسرے لوگوں اور جماعتوں کے ساتھ تعلقات کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نیک لوگوں کی صحبت کے اخلاقیات پر اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: "اگر ابتدا ہی سے نیک لوگوں کی تربیت نصیب ہو جائے اور ان کی صحبت میں رہے ان کی نیکی اور خوبی کے نقوش اس پر بھی منقش ہوتے ہیں اور انکے اخلاق حسنہ کے عادات واطوار ہمیشہ دیکھتے رہنے سے اس میں بھی وہ اخلاق حسنہ جڑ پکڑ جاتے ہیں اور راسخ ہو جاتے ہیں اور اس کے اندرون کے اخلاق سیۂ کا ازالہ ہو جاتا ہے"[3] گویا کہ اخلاق کی تربیت میں ماحول کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر نیک لوگوں کی صحبت میسر آجائے تو اخلاق سنور جاتے ہیں اور انسان کے مزاج پر

---

[1] مولانا عبد الحفیظ بلیلاوی، مصباح اللغات (کراچی: قدیمی کتب خانہ سن ن)، 217۔

[2] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، احیاء العلوم، (کراچی: دارالاشاعت 1978ء)، 2:143۔

[3] محمد احتشام الحسن کاندھلوی، تذکیہ نفس اور تہذیب اخلاق (دہلی: نمکتبہ برہان جامعہ مسجد، 1971ء)، 33۔

ان کی صحبت کے باعث مثبت اثرات کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَكُونُواْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ[4] (اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔)

اخلاق کی تقسیم

خلق نفس کی اس پختہ حالت کو کہتے ہیں جو افعال خیر یا شر کا اصل مصدر رہیں۔ جہاں سے ان افعال کا صدور و ظہور ہوتا ہے۔ اب جو افعال خیر کے مبادی ہیں وہ اخلاق حسنہ ہیں اور جو افعال شر کے مبادی ہیں وہ اخلاق سیۂ کہلاتے ہیں مثلاً وعدہ خلافی، خیانت کرنا، اپنی بات پر قائم نہ رہنا، اخلاق کے ترازو میں انتہائی قابل مذمت ہیں۔ اس وجہ سے شریعت اسلامیہ میں انہیں کہیں بھی کسی بھی لحاظ سے جائز یا مباح نہیں کہا گیا۔ خواہ ان تعلقات کا دائرہ افراد تک محدود ہو یا ملکوں تک وسیع۔ اس بات کو اس ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ایک اجنبی (یعنی غیر مسلم) جب امان حاصل کر کے کچھ مدت کے لیے اسلامی حکومت کے حدود میں داخل ہوتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس مدت کے دوران اسے غیر مسلم ریاست کے مطالبے پر واپس کر دیا جائے خواہ اسکے بدلے میں وہ ہمارے ایک شہری کو جو وہاں مقید ہے واپس کرنے کا مطالبہ کریں فقہاء اس حکم کی علت یہ بتاتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت میں امان لیکر داخل ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اسکی رضامندی کے بغیر اسے اس کی حکومت کے سپرد کرنا وعدہ خلافی ہے جو اسلامی شریعت میں ناجائز ہے۔

اسلامی شریعت اس نازک ترین حالت میں بھی اخلاقی پہلو کا جس انداز سے التزام کرتی ہے اسکی مثال کسی بھی انسانی قانون میں مل سکتی ہے؟ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں چونکہ اسلامی شریعت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے جو خالص حق اور عدل ہے۔

شرائع ماقبل کی اخلاقی تعلیمات

تورات صرف عقیدہ میں رہنمائی اور قلب و ضمیر میں روشنی کے لیے ہی نازل نہیں ہوئی بلکہ تورات زندگی کے معاملات کے لیے نور وہدایت تھی اور پوری زندگی کے قانون پر مشتمل تھی جس پر اللہ کے مطیع و فرمانبردار اور اس کی ربوبیت کو ماننے والے اور خصائص الوہیت میں سے کسی بھی خصوصیت کا دعویٰ نہ کرنے والوں نے عمل کیا اور کرایا۔ اسی کے مطابق تورات کے عالم اور احبار عمل کرتے رہے کیونکہ انہیں مکلف بنایا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کی حفاظت کریں اور اپنی زندگیوں میں اسی کے نفاذ پر گواہ رہیں۔ تورات میں اخلاقیات کے حوالے سے حضرت موسیٰ کے احکام عشرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ تورات میں مذکور ہے :۱۔ تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرے خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ ۲۔ تو خون نہ کرنا ۳۔ تو زنانہ کرنا ۴۔ تو چوری نہ کرنا ۵۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا ۶۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ ۷۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا ۸۔ ا ورنہ اس کے غلام اس کی لونڈی ۹۔ اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا ۱۰۔ اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی چیز کا لالچ کرنا۔[5]

---

[4] التوبہ 119:9۔

[5] کتاب مقدس: خروج 17:5-20۔

یہودیوں کے خدا یہوہ انہیں اعلیٰ اخلاقیات اپنانے کی نصیحت کرتے ہیں تورات درج ہے: میرے لیے اتنی بے شمار قربانیاں جو تم دیتے ہو، وہ کس کام کی ہیں۔ تمہارے ہاتھ خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ دھوڈالو، پاک ہو جاؤ، میری آنکھوں کے سامنے سے اپنے بریاعمال ہٹالو، برائی کرنے سے باز آجاؤ، نیکی کرنا سیکھو، انصاف طلب کرو، مظلوم کو نجات دو، یتیموں کا حال جانو، بیوہ کی وکالت کرو۔[6] تورات میں سنگین جرائم کے لئے سزائیں بھی مقرر ہیں جنہیں حدود سے موسوم کیا جاسکتا ہے استثناء میں لکھا ہے کہ: اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی، یوں تو اسرائیل میں اس برائی کو ختم کرنا۔[7] ایک اور جگہ قدرے تفصیل سے حرمت والے رشتوں سے برائی نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے لکھا ہے کہ: تم میں سے کوئی اپنے قریبی رشتہ دار کے پاس اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لے نہ جائے تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے، بے پردہ نہ کرنا،۔۔۔۔۔۔تو اپنی بہن کے بدن کو، چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے ماں کی، اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو، خواہ اور کہیں، بے پردہ نہ کرنا، تو اپنی پوتی یانواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا،۔۔۔۔۔۔تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے۔[8]

یہ حدود یہودیوں کی کتاب میں آج بھی بالکل واضح طور پر درج ہیں لیکن ان کے مطابق بنی اسرائیل کے انبیاء و مرسلین نے نہ صرف ان کی تنفیذ میں کوتاہی برتی بلکہ خود بھی ان جرائم کے مرتکب ہوئے جیسا کہ پیچھے چند مثالیں حضرت لوطؑ اور حضرت داؤدؑ وغیرہ کی بیان کی جاچکی ہیں۔ یہودی کتب کے یہ تضادات ان کی افتراء پردازی اور تحریف کے واضح ثبوت ہیں۔ یہی حال عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی الہامی تعلیمات کے ساتھ کیا۔ پہلے پہل تو ان کے پاک دامن پہ کیچڑ اچھالی۔ اور پھر ان کی شان میں اس قدر غلو کیا کہ ان ماں بیٹے کو خدا کی خدائی میں شریک کر دیا۔ اور خدا کی بجائے ان کی پرستش شروع کر دی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس طرزِ عمل کو یوں بیان فرمایا ہے: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِيْ دِيْنِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللهِ إِلاَّ الْحَقِّ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وَكَفَى بِاللهِ وَكِيْلاً[9] اے اہل کتاب، دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں باز آجاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔

اخلاقیات کے حوالے سے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات بہت واضح اور تمام تر افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ آپ نے خدا کی محبت پر بہت زور دیا ہے۔ اور اسے بعض اچھوتی تمثیلوں کے ذریعے بیان کیا ہی۔ عفو و درگزر کی تعلیم دیتے ہوئے آپ نے

---

[6] کتاب مقدس: عیسیاہ 1:2۔

[7] کتاب مقدس: استثناء 22:22۔

[8] کتاب مقدس: احبار 6:12-18۔

[9] النساء 4:171۔

فرمایا:-مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں جو حلیم ہیں، جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں جو رحم دل ہیں جو پاک دل ہیں جو صلح کراتے ہیں جو راست بازی کے سبب ستائے گئے۔[10] آپ صرف اسی خلق کو اللہ کے ہاں مقبول قرار دیتے ہیں جو ریاکاری اور دکھاوے سے پاک ہو آپ کا کہنا ہے: خبر دار اپنے راست بازی کے کام آدمی کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کریں۔ نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں۔۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگانہ بجوا جیسا کہ ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پاچکے ہیں۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔ تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔ اسی صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔[11] سود کے حوالے سے درج ہے: اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔[12] درندوں کے مارے ہوئے یعنی مردار کی بھی ممانعت کا ذکر ملتا ہے: اور تم میرے لئے پاک آدمی ہونا۔ اسی سبب سے درندوں کے پھاڑے ہوئے جانور کا گوشت جو میدان میں پڑا ہوا ملے مت کھانا۔ تم اسے کتوں کے آگے پھینک دینا۔[13]

آخری شریعت کی اخلاقی تعلیمات

ا۔یوم الدین اور اخلاق کا باہمی تعلق: نجات اخروی کے لیے ضروری ہے کہ انسان صالح اخلاق پر عمل کرے اور بداخلاقی سے بچے۔ ہمارے علماء اور مفسرین نے ہابیل اور قابیل کے واقعہ کو سرسری طور پر لیا ہے اور اسکے منطقی نتائج تک نہ پہنچ سکے ہیں۔ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے اور میں اس کو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام دستور کے مطابق جو لڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اسکا طلبگار ہوا۔ باپ کے کہنے سے دونوں نے راہِ خدا میں کچھ نیاز کی۔ ہابیل کی قربانی کو دربار الٰہی میں شرف قبولیت حاصل ہوا جس نے قابیل کے دل میں حسد کو جنم دیا جس کی بنا پر اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ بھائی نے جواب میں کہا: لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا أَنَاْ بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَكَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ[14] ا: گر تو مجھ کو مارنے کے لئے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ پر ہاتھ نہ چلاؤں گا بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔؛ یعنی جہاں تک شرعاً گنجائش ہے اپنے بھائی کے خون میں ہاتھ نہ رنگیں۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ یہ روئے زمین پر سب سے پہلا بڑا گناہ ہوا۔ دراصل انسان نے ابھی تک معیشت اور اخلاق کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر معاشی نظام جاگیرداری اور سرمایہ

---

[10] کتاب مقدس: متیٰ 5:1-10۔

[11] کتاب مقدس: متیٰ 6:1-14۔

[12] کتاب مقدس: خروج 22:25۔

[13] کتاب مقدس: خروج 22:31۔

[14] المائدہ 5:28۔

داری پر مبنی ہو گا تو وہ اپنے مزاج اور تقاضوں کے مطابق اخلاق پیدا کریگا۔ لہٰذا حیات اخروی میں نجات کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ کی طبقاتی نہج کو تبدیل کیا جائے۔

۲۔عدل وقسط پر معاشرہ کا قیام :عدالت کا تقاضا ہے کہ معاشرہ عدل وقسط پر قائم رہے مگر ربوبیت اور رحمت کی طرح عدالت کے ضمن میں بھی انسانی تاریخ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ روز اول سے ہی انسانی معاشرہ عدل وقسط اور نگران کے راستہ سے ہٹ چکا تھا جب ہابیل کو قابیل نے محض اپنی ہوس کی تکمیل کے لیے قتل کر دیا۔ اس سے ایک ایسے معاشرتی نظام کی ابتداء ہوگئی جس میں فرد اپنی ہوس کی تکمیل کے لیے ہر حکم کی اخلاقی حدود کو پھاند سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہو تا ہے کہ ابنیاء کی بعثت اسی مقصد کے حصول کے لیے شروع ہوئی کہ معاشرہ انسانی کو عدل وقسط پر دوبارہ قائم کر دیا جائے چنانچہ سورۃ الحدید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: **لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ**[15]،ہم نے رسولوں کی صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور انکے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں

اس آیت مقدسہ میں لفظ 'قسط' اہمیت کا حامل ہے اسکا معنی یہ ہے کہ چونکہ معاشرہ قسط کی نہج سے ہٹ چکا ہے اس لیے انبیاء کی بعثت اس لیے کی جارہی ہے کہ وہ معاشرہ کو دوبارہ قسط پر قائم کر دیں۔ قسط کے معنی عام طور پر عدل کے لیے جاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے۔ عدل کا لفظ قانونی معاملات سے زیادہ روش رکھتا ہے یعنی جیسا کرو ویسا بھرو۔ اس لیے قرآن نے محنت انسانی کے ضمن میں عدل کے معنی یہ کئے ہیں کہ جتنی محنت کرو اس کے مطابق پیداوار لو۔ طبقاتی معاشرہ میں محنت کش جتنی محنت کرتا ہے اپنی محنت کی پیداوار کے پورے حصے پر اسے حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ کارخانہ دار یا جاگیر دار بہت کم حصہ اسے دیتے ہیں۔ مگر 'قسط' میں برابری اور مساوات کا تصور پایا جاتا ہے یعنی انسانوں کا اپنی محنت اور حقوق کے ثمرات سے مساوی طور پر مستفید ہونا جب کہ عدل کے لیےJustice کالفظ استعمال ہوتا ہے ارشاد الٰہی ہے:**وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِيْ الْيَتَامَى ----أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ تَعُولُواْ**[16]اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو پس نکاح میں لاؤ وہ عورتیں جو تمہیں بھائیں دو دو اور تین تین اور چار چار، پھر اگر ڈرو کہ دو دو بیویوں میں انصاف نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔ یعنی اگر تم دیکھو کہ یتیم بچوں اور بے شوہر عورتوں کے حقوق وواجبات کو پورا نہ کر سکو۔ یہاں قسط کا معنی برابری اور مساوات کے لیے آیا ہے۔ چونکہ انسانی معاشرہ میں ذرائع پیداوار پر چند افراد کے نجی قبضہ سے دولت کی تقسیم میں ناہمواری پیدا ہوگئی ہے۔ اسلئے نبوت کی غایت ہی یہ ہے کہ وہ ذرائع پیداوار کو چند افراد کے قبضہ سے نکال کر عوام کی ملکیت قرار دے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر ضروریات پوری نہ ہو سکیں گی تو فرد کو اطمینان وسکون نصیب نہ ہو گا اور وہ پوری توجہ کیساتھ عمل صالحہ کے توسط سے خداوندی تقاضوں کو پورا نہ کر

---

[15] الفرقان 57:25۔

[16] آل عمران 4:3۔

سکے گا جس سے وہ نا صرف دنیا میں بلکہ حیات اخروی میں بھی نقصان میں رہے گا۔ اسی سبب تمام مذاہب توحید پسند بلکہ بت پرست کا مقصد بھی یہی ہے کہ فرد اپنے اخلاق اور معاشرتی اعمال سے زیادہ سے زیادہ قرب خداوندی کو حاصل کر سکے۔ اسلام اور دوسرے تمام مذاہب کی مذہبی پیشوائیت نے بعثت نبوت اور نزول وحی کی غایت کو جو معاشرہ کے عدل وقسط سے ہٹ جانے کے سبب اسے دوبارہ اس راستے پر استوار کرنا تھا، عوام کی نظروں سے اوجھل کر دیا اور اسکی جگہ عبادات وظواہر کی ادائیگی کو نجات اخروی کے لیے کافی قرار دے دیا۔ اب حالت یہ ہے کہ مذہب کا پیروکار عبادت کی ظاہری شکل کی ادائیگی اور اپنے مذہب کی دیگر مذاہب پر برتری ثابت کرنے اور اپنے مذہبی گروہ میں شمولیت کو نجات اخروی کے لیے لازم قرار دینے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مذہب کی بنیاد پر فسادات پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ اصول مساوات: قوانین کی صلاحیت کا انحصار انکے اصولوں کی صلاحیت کار پر ہوتا ہے۔ شریعت اسلامی کا کوئی اصول ایسا نہیں جس کی صلاحیت کار ختم ہو چکی ہو مثلاً اسکا اصول مساوات کسی پابندی اور شرط کے بغیر تمام انسانوں کے لیے وضع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا**[17] لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اس مساوات کا اعلان شریعت الٰہی گزشتہ چودہ سو سالوں سے کرتی چلی آرہی ہے۔ جب کہ وضعی قوانین پر اس کا انکشاف ابھی اٹھارویں صدی عیسوی میں آکر ہوا ہے۔

۴۔ فکر و نظر کی آزادی: قرآن کریم ہر قسم کے جبر اور ظلم وستم کے خلاف ہے اور آمریت اور مطلق العنانیت کی مذمت کرتا ہے۔ قرآن کریم نے مذہبی جبر اور تسلط کی ممانعت کی ہے اور انسانوں کو فکری آزادی عطا کی ہے ارشاد الٰہی ہے: **لَآ إِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ** [18] دین میں کوئی زبردستی نہیں۔؛ اس شریعت نے اپنے ابتدائی ایام میں ہی آزادی کو بڑے خوبصورت رنگ میں پیش کیا۔ آزادی کے اس تصور میں فکر، مذہب، اظہار خیال، اجتماع تمام اقسام کی آزادیاں شامل تھیں۔

۵۔ مشاورت: شریعت کا ایک بنیادی اصول مشاورت بھی ہے اللہ نے فرمایا: **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ**[19] وہ اپنے معاملات میں باہمی مشورہ کرتے ہیں۔ شریعت نے حکمران گروہ کو اختیارات کے استعمال میں مسلمان قوم کے نائب کی حیثیت دی ہے اور حدود سے تجاوز کر جانے اور غلطیوں کا مرتکب ہونے کی صورت میں اسے قوم کے سامنے جوابدہ بنایا ہے۔ شریعت کی پابندی کے اعتبار سے حاکم اور محکوم دونوں برابر ہیں۔

۶۔ حرمت شراب، حلت طلاق: شریعت نے شراب کو قطعاً حرام اور طلاق کو ناگزیر حالات میں جائز قرار دیا ہے فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔**

---

[17] الرعد49:13۔

[18] البقرہ،256:2۔

[19] الشعراء42:38۔

[20]اے ایمان والو: یہ شراب اور جواء اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔ **الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ**[21]اور یہ کہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

۷۔اشتراک و امداد باہمی :اسلامی شریعت دنیا کا پہلا ضابطہ حیات ہے جس نے اشتراک اور امداد باہمی کی بنیاد رکھی ہے ۔فرمایا:**وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى**[22]نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

۸۔ تنگی اور مشکل دور کرنا: اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرنے کی راہ میں بعض افراد کے لیے جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ کیونکہ اس میں شریعت کے مکلف انسان کی کمزوریوں اور اس کی ناقص حکمت عملی کا دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:**وَخُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفًا**[23]اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ مشکلات مکلف(ذمہ دار فرد) کی ہمت واستطاعت کے مطابق ہیں لیکن پھر بھی شریعت ساز نے شریعت میں یہ خوبی اور صلاحیت رکھی ہے کہ فرائض اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں دشواری اور تنگی پیش نہ آئے تاکہ لوگ اپنے فرائض خوش دلی اور رغبت سے ادا کریں، ان پر فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ بننے والی اکتاہٹ، تھکاوٹ اور کمزوری طاری نہ ہو اور وہ اپنے فرائض بڑھ چڑھ کر انجام دیں۔ رفع حرج، یعنی تنگی دور کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:**مَّا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِيْ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِن قَبْل**[24] اور نبی کے لیے اس بات میں کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی، جو پہلے گزر چکے ہیں، اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔یعنی آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ تھا کہ وہ جس چیز کا بھی اپنی امت کو حکم دیں گے اس میں ان کو کوئی تنگی محسوس نہیں ہو گی۔لہذا نرمی اور آسانی قرآن عظیم کی شریعت کے واضح اوصاف میں سے ہیں۔مومنوں کی ایک دعا کے چند الفاظ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیے ہیں :**رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَا لاَ طَاقَةَ لَنَا بِهِ**[25]اور اے ہمارے رب!ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔اے ہمارے رب!جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا۔

---

[20] المائدہ5:90۔

[21] البقرہ،2:229۔

[22] المائدہ5:2۔

[23] النساء4:28۔

[24] الاحزاب33:38۔

[25] البقرہ2:286۔

۹۔انسانی عزت وو قار کا اثبات: قرآن عظیم نے بار بار تاکید کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بہت معزز و مکرم تخلیق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے زمین میں خلیفہ بنایا، خلافت ایسا مرتبہ ہے جس پر محترم و مکرم فرشتے نگاہیں لگائے بیٹھے تھے لیکن انہیں اس منصب کی سعادت نہیں بخشی گئی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلاَئِکَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الأَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِیْهَا مَن یُفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ۔۔۔۔۔**[26]

اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: کیا تو زمین میں اسے (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔**وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ ۔۔۔وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلا**[27] اور یقینا ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انہیں بر و بحر میں سواریاں دیں، انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور انہیں اپنی کثیر مخلوقات پر بڑی فضیلت دی جنھیں ہم نے پیدا کیا۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم نے بعض انسانوں کو اپنی فطرت تبدیل کرنے سے روکا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی فطرت کے خلاف اللہ تعالیٰ کے سوا ان طاقت ور اجرام فلکی وغیرہ کو اپنے معبود بنا لیا جنہیں اللہ نے ان کا مطیع بنایا ہے اور انہی کی عبادت کرنے لگے۔ مزید بر آں ایسے لوگ جو خود اپنی عزت و حرمت کو پامال کر کے دوسرے افراد کا دم چھلا بن گئے، قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو بھی مردود ٹھہرایا۔ ان لوگوں کے قول کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

۱۰۔انسانی حقوق کا اثبات : جن حقوق کو آج "انسانی حقوق" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور انسانیت ان کے گیت گاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم ہی نے ان کی بنیاد رکھی اور منظوری دی حتیٰ کہ چودہ صدیوں سے زیادہ مدت بیت چکی ہے لیکن قرآن کریم کے عطاکردہ حقوق سے بڑھ کر جامع اور منصفانہ حقوق کی کوئی مثال اب تک پیش نہیں کی جا سکی۔ جب تک کوئی انسان کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا جو شرعی طور پر اس کے خون کو مباح کر دے، اس وقت تک قرآن عظیم ہر انسان کی زندگی کے حق کا اقرار و اثبات کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :**وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ**[28] اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔

قرآن کریم نے انسان کے ذاتی گھر کے بارے میں اس کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے گھر میں داخل نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **یا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتاً غَیْرَ بُیُوتِکُمْ۔ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیْمٌ**[29] (اے

[26] البقرہ2:30۔

[27] البقرہ2:670۔

[28] الانعام6:151۔

[29] النور24:27۔

ایمان والوں) تم اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، حتیٰ کہ تم اجازت لے لو، اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو، پھر اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے۔ قرآن کریم نے انسان کے مال اور خون کی حفاظت کا حق تسلیم کیا اور اس کی حلال ملکیت کی نگرانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ---إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْما[30] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو، اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔ قرآن کریم نے انسان کی عزت واحترام کی حفاظت کا حق بھی تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ -----وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ[31] اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہو سکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں، اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔ مرد ہو یا عورت، قرآن کریم نے شادی اور خاندان کی تشکیل کے لیے اس کا حق تسلیم کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً ---لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ[32] اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔ شادی کے بعد شریف اور نیک اولاد کے معاملے میں بھی قرآن کریم نے انسان کے حق کو تسلیم کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً ----وَبِنِعْمَتِ اللّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ[33] اور اللہ نے تمہارے لیے تمہی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔ اولاد خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، زندگی کے معاملے میں قرآن کریم نے ان کا حق تسلیم کیا ہے، لہذا کسی بھی سبب سے اپنی اولاد کو قتل کرنے اور بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے جیسے اہل جاہلیت کے گھناؤنے فعل کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُم مِّنْ إمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ[34] اور اپنی اولاد کو تنگ دستی (کے ڈر) سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی اور انہیں بھی رزق دیتے ہیں۔

---

[30] النساء4:29۔

[31] الحجرات49:11۔

[32] الروم30:21۔

[33] النحل16:72۔

[34] الانعام6:151۔

انسان اگر عاجز یا فقیر ہو تو غنی اور مال دار لوگوں کے مال میں حسب گزران اس کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رو سے محروموں کا یہ حق مقرر کیا ہے :وَالَّذِيْنَ فِيْٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ[35] اور جن کے مالوں میں سوالی اور محروم کا حق مقرر ہے۔ منکرات کے انکار، فساد کا سدباب کرنے اور واضح ظلم اور کھلے کفر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے انسانی حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اللہ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے: وَلاَ تَرْكَنُواْ إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُواْ ---ثُمَّ لاَ تُنصَرُونَ[36]اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا، ورنہ تمہیں آگ آ لپیٹے گی اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہو گا۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ قرآن عظیم نے ان حقوق کو فرائض اور واجبات کے درجے تک پہنچا دیا ہے کیونکہ بعض حقوق ایسے ہیں کہ صاحب حقوق کے لیے ان سے دست بردار ہونا ممکن ہے لیکن جہاں تک ایسے واجبات کا تعلق ہے جنہیں فرق قرار دیا گیا ہے ان سے دست بردار ہونا ہرگز جائز نہیں۔

۱۱۔خاندان کی تشکیل: قرآن کریم نے جن عظیم مقاصد کو اپنا ہدف ٹھہرایا ہے ان میں سے ایک ہدف صالح خاندان کی تخلیق بھی ہے۔ صالح خاندان اچھے اور سلجھے ہوئے معاشرے کی بنیادی اینٹ اور ایک سلجھی ہوئی قوم کے بار آور نخل کا بیج اور گٹھلی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خاندان کی تشکیل کی بنیاد شادی ہے۔ قرآن نے آسمانوں اور زمین وغیرہ کی تخلیق کے مانند شادی کو بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً ---لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ[37] اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اس آیت قریمہ نے ان تین ستونوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ جن پر ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے اور وہ تین ستون سکون، محبت اور رحمت ہیں۔ قرآن عظیم نے میاں بیوی کے درمیان رابطے کو پختہ وعدہ سے موسوم کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہے: وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيْثَاقاً غَلِيْظا[38] اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا تھا۔ اس سے مقصود پکا، قوی اور مضبوط معاہدہ ہے۔ قرآن کریم نے زوجین کے باہمی تعلق، قرب، وابستگی، طمانیت، حفاظت اور پردے کو ملحوظ رکھ کر میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ[39]وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ قرآن کریم کی رو سے نیک اولاد شادی کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ نیک اولاد سے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ رب ذوالجلال کے بندوں کی دعاؤں

---

[35] المعارج70:24-25۔

[36] الھود11:13۔

[37] الروم30:21۔

[38] النساء4:21۔

[39] البقرہ2:187۔

میں سے ایک دعا یہ بھی ہے کہ: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاما[40] اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔ خاندان کے لیے یہ بات شرط لازم ہے کہ افراد خانہ دین کے اعتبار سے متفق و متحد ہوں، اسی لیے قرآن کریم نے مشرک عورتوں سے نکاح اور مسلمان خواتین کا مشرک مردوں سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کی رخصت دی ہے کیونکہ وہ بھی بنیادی طور پر آسمانی دین (یہودیت یا نصرانیت) پر ایمان رکھتی ہیں یعنی اللہ اسکے نبی کی رسالت اور یوم الآخرت پر ایمان رکھتی ہیں اگرچہ یہ ایمان ملاوٹی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ ------وَلاَ مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ[41] اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور تمہارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں، اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انہیں ان کے مہر دے دو، نیز انہیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔ چونکہ مسلمان کتابیہ عورت کے دین کی اصلیت کا اعتراف کرتا ہے، لہذا وہ اس عورت پر کوئی ظلم یا زیادتی کرے گا نہ اس کے حقوق تلف کرے گا۔ اس کے برعکس اہل کتاب مرد مسلمان خاتون کے دین کی اصلیت کا اعتراف کرتا ہے نہ اس کتاب کا جس پر وہ ایمان لائی ہے اور نہ اس نبی کو مانتا ہے جس کی وہ خاتون پیروی کرتی ہے اسی بنا پر اجماع ہے کہ مسلمان خاتون کا غیر مسلم مرد سے نکاح حرام ہے چاہے وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو۔

۱۲۔ عورت سے انصاف اور ظلم و ستم سے اس کی خلاصی: وہ اہم امور جنہیں قرآن کریم بنی نوع انسان کی فلاح کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عورت کے لیے انصاف اور ایام جاہلیت کے مظالم سے نجات کا پیغام لایا ہے۔ دین اسلام سے پہلے تمام امتوں میں حتیٰ کہ اہل کتاب کی شریعتوں اور قوانین میں بھی عورتیں بہت مظلوم تھی۔ ان کی حیثیت لونڈیوں سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ وہ بے حد حقیر سمجھی جاتی تھیں۔ سفاکی کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ جب اسلام آیا اور قرآن کریم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے خواتین کو وہ تمام حقوق مرحمت فرمائے جو اس نے مرد کو عطا کیے تھے۔ ماسوا ان احکام کے جن کا تعلق خاص نسوانی معاملات و فرائض سے ہے۔ ان معاملات میں بھی خواتین کی تکریم ملحوظ رکھی گئی ہے اور ان سے شفقت و رحمت اور ہمدردانہ سلوک کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے بلاجواز عورت کی قسمت کے فیصلے کے سلسلے میں مرد کی آمریت قائم نہیں کی بلکہ جائز حدود میں عورت کو بھی بھرپور آزادی بخشی ہے اور بحیثیت انسان اسے اس کے تمام حقوق دیئے ہیں۔ رشتے کے لحاظ سے عورت کی متعدد محترم حیثیتیں ہیں وہ ماں ہے، وہ بیٹی ہے وہ بہن ہے، وہ بیوی ہے، ان تمام مقدس رشتوں کے اعتبار سے عورت کو جو معاشرتی عظمت و وقار نصیب ہوا ہے وہ قرآن کریم ہی کی دین ہے۔

---

[40] الفرقان 74:25۔

[41] المائدہ 5:5۔

قرآن کریم نے عورت کو اس کے تمام حقوق عطا کیے ہیں اور ان حقوق کی نگہداشت کا خاص خیال بھی رکھا ہے۔ نیز اسے جاہلیت کے ظلم سے آزاد کیا ہے۔ قرآن کریم نے عورت کو جو بے مثال شرف بخشا ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی سات لمبی سورتوں میں سے ایک سورۃ النساء کو خواتین ہی کے نام سے منسوب کیا ہے یہ سورت زندگی کے مختلف شعبوں میں عورت کو ایسے حقوق عطا کرتی ہے۔ جو جاہلیت کے اولین دور میں عورت کو حاصل نہیں تھے۔ قرآن کریم کے عورت سے انصاف اور جاہلیت کے مظالم سے اسے آزادی دلانے کے مظاہر میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ عورت کے حق ملکیت اور جو کچھ وہ حلال طریقے سے کماتی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں تسلیم کیا ہے:لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُواْ اللّهَ مِن فَضْلِهِ[42]مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔ وراثت میں مرد کے حق کے مانند اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں عورت کے حق کی ضمانت دی ہے ۔ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ ---أَوْ كَثُرَ نَصِيْباً مَّفْرُوضا[43] مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں،(یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو حق مہر کی ضمانت دی ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے:وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً [44] اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امتوں میں سے کسی بھی امت میں کوئی ایسا دین نہیں پایا جاتا اور نہ ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے جس نے خواتین کو وہ حقوق، عزت اور اہمیت دی ہو جو انہیں قرآن عظیم نے عطا کی ہے۔ کیا یہ ساری باتیں قرآن کریم کی عظمت، علو مرتبت اور رفعت و برتری کی دلیل نہیں ہیں؟

۱۳۔مکلف اور ذمہ دار فرد کو دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد بنانا: اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن عظیم کی اطاعت انسان کو دنیا و آخرت میں ہدایت کی راہ دکھاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا : قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى [45] کہہ دیجئے! بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔ مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں، خواہ وہ فرض ہو یا نفل، اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو یوں نقل فرمایا ہے :اهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ[46]ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کی جس ہدایت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا اس دنیا میں گمراہی میں مبتلا نہیں ہوتا اور آخرت میں اس کی بد بختی مٹ جاتی ہے۔ یاد رہے کہ بد بختی خوش بختی کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

---

[42] النساء4:32۔

[43] النساء4:7۔

[44] النساء4:4۔

[45] البقرہ2:120۔

[46] الفاتحہ،1:6۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى[47] جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔ سیدھے راستے کی طرف لے جانے والی یہ ہدایت دنیا و آخرت کی سعادت اور خوش بختی کی ضمانت ہے۔

۱۴۔ قرآنی قانونِ عدل و انصاف: اللہ تعالیٰ کے حضور تمام انسان برابر ہیں، لہذا قرآنی شریعت اس بنیاد پر انہیں ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی قانون لوگوں کے مابین مساوات پیدا کر کے ان میں بے لاگ انصاف کے اصول قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ[48] بے شک اللہ تمیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں تمام بنی نوع انسان کے درمیان بر بنائے انصاف فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کے مابین یا ایک جنس کو چھوڑ کر دوسری جنس کے مابین، یا ایک رنگ والوں کو چھوڑ کر دوسرے رنگ والوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہاں عدل سے مراد یہ ہے کہ مستحق شخص کو اس کا حق اس کے استحقاق کے مطابق دو، مظلوم پر ظلم و زیادتی ختم کراؤ اور لوگوں کے مسائل و معاملات کے حل کے لیے ایسی تدبیر کرو جس سے انہیں فائدہ پہنچے۔

عدل قرآنی قانون و شریعت کا سب سے زیادہ درخشاں پہلو ہے۔ وہ شریعت میں اجتماعیت اور طرز معاشرت کا معیار ہے۔ اسی کی بدولت جماعت کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ ہر وہ چھوٹی یا بڑی اجتماعی یکجہتی جو عدل پر قائم نہ ہو، چاہے اس میں زیادہ سے زیادہ قوت، تنظیم اور نظم و ضبط کی پابندی موجود ہو، وہ زوال سے دوچار ہونے والی ہے کیونکہ فیض رساں اور نفع بخش نظام کی بنیاد صرف عدل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ ۔۔۔لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[49] بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ امام قرطبی فرماتے ہیں، یہ آیت کریمہ ان بنیادی احکام سے تعلق رکھتی ہے جن میں پورا دین اور شریعت سمٹ آئی ہے دیگر قوانین اور شریعتوں کی نسبت قرآنی شریعت میں عدل کے نہایت نتیجہ خیز اور گہرے معانی ہیں۔

خلاصۂ بحث

اخلاقی تعلیمات یوں تو تمام مذاہب میں موجود ہیں، تمام مذاہب ہی نیکی اختیار کرنے، برائی سے باز آنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ احکام ملتے ہیں کہ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ لیکن اس معاملے میں دیگر مذاہب کی تعلیمات کی تفصیلات اور عملی صورتوں میں وہ جامعت نہیں پائی جاتی جو اسلامی تعلیمات کے حوالے سے دکھائی دیتی ہے۔ اگر موازنہ و تقابل کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات اس ضمن میں سب سے اعلی اور مکمل ہیں۔

---

[47] طٰہ130:20۔

[48] النساء58:4۔

[49] النحل90:16۔